25

دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم میں اور ہماری آئندہ نسلوں میں ہمیشہ اعمالِ صالحہ اور نُورِ ایمان کو قائم رکھے

جو لوگ اپنی اولاد کی نیک تربیت سے غافل ہو جاتے ہیں اُن کی نسلیں روحانی لحاظ سے تباہ ہو جاتی ہیں

(فرمودہ 5 ستمبر 1958ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"پچھلے سے پچھلے جمعہ بھی گرمی کی شدت تھی اور میں نے شکایت کی تھی کہ گرمی کی وجہ سے طبیعت خراب رہتی ہے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ بارش ہوگئی اور ایسی ٹھنڈک ہوگئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہم کسی اونچے پہاڑ پر رہتے ہیں مگر آج پھر گرمی کی شدت ہے۔ معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ گرمی کم ہونے میں ہی نہیں آتی حالانکہ ستمبر کا وسط آ گیا ہے۔

بہرحال میں آج یہ بات کہنی چاہتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اسماء الظَّاھِرُ وَ الْبَاطِنُ بھی آتے ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔1 وہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اِس جگہ خدا تعالیٰ کو الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

قرار دینے کا وہی مفہوم ہے جو اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ 2 میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر جو خوبیاں اور نیکیاں کسی انسان میں پائی جائیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آتی ہیں اور باطنی طور پر جو صفائی دل میں پیدا ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ اِسی مضمون کو اِن الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ 3 یعنی جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اُس کے دل کے درمیان چکر لگاتا رہتا ہے۔ یعنی انسانی قلب میں کوئی بھی ایسا خیال پیدا نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی نظر سے نہ گزرتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کی تائید میں ہو تو شیطانی وساوس اور شبہات اُس کے ایمان کو متذبذب نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر خدائی تائید شاملِ حال نہ ہو تو شیطانی وساوس اُس پر اثر ڈال لیتے ہیں۔ گویا بتایا کہ ظاہر میں جس قدر خوبیاں پائی جانی چاہییں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی پیدا ہوتی ہیں اور باطنی صفائی بھی اُسی کے فضل سے میسر آتی ہے یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

لوگ عموماً سمجھ لیتے ہیں کہ جب ہم اچھے ہیں تو لازماً ہماری اولاد بھی قیامت تک اچھی ہی رہے گی اور اِس وجہ سے وہ اُن کی نیک تربیت اور دینی تعلیم سے غافل ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی آئندہ نسلیں بالکل تباہ ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں تمام تباہیاں اور بربادیاں اِسی وجہ سے ہوئی ہیں کہ لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ جب ہم اچھے ہیں تو لازماً ہماری اولاد بھی اچھی رہے گی حالانکہ نہ قومی نیکیاں خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل ہوتی ہیں اور نہ آئندہ نسلوں کی درستی اُس کے فضل کے بغیر ہوتی ہے۔ اور اگر کسی وقت ہماری جماعت نے بھی اس نکتہ کو فراموش کر دیا تو اسے بھی اُنہی روحانی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو پہلی قوموں کو پیش آئے۔ ہماری موجودہ حالت تو ابھی ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں "کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا"۔ ابھی تو ہم نے کوئی کام ہی نہیں کیا صرف چند آدمی زندگیاں وقف کر کے غیر ممالک میں گئے ہیں مگر ان کی قربانی صحابہؓ اور حواریوں کی قربانیاں تو الگ رہیں امتِ محمدیہ میں جو بلند مرتبہ صوفیاء گزرے ہیں ان کی قربانیوں کے مقابلہ میں بھی پیش نہیں کی جاسکتیں۔

حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ ایران کے علاقہ چشت سے ہندوستان آئے اور اجمیر چلے گئے جہاں کئی سو میل تک ایک مسلمان بھی نہیں تھا اور پھر کسی سے ایک پیسہ لیے بغیر وہیں اپنی ساری عمر گزار دی لیکن ہمارے مبلّغوں کی طرف سے کئی دفعہ چٹھیاں آجاتی ہیں کہ ہمیں خرچ کم ملتا ہے اسے

بڑھایا جائے۔ بعض لکھتے ہیں کہ اس کم خرچ میں لوگوں پر ہماری شان ظاہر نہیں ہوتی لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صرف اِنہی کو اپنی شان دکھانے کی ضرورت ہے؟ حضرت معین الدین چشتیؒ اور دوسرے اولیاء کی کوئی شان نہیں تھی؟ انہوں نے تو غربت اور مسکنت میں ہی اپنی عمر گزار دی مگر ہمارا مبلغ لکھتا ہے کہ ہمیں خرچ کم ملتا ہے اسے بڑھایا جائے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو جہاں تک غیر ممالک میں جانے کا سوال ہے ایمبیسی میں کام کرنے والے جتنے آدمی ہیں سب غیر ممالک میں رہتے ہیں صرف اِتنا فرق ہے کہ اُن کو زیادہ تنخواہ ملتی ہے اور ہمارے مبلغ کو کم ملتی ہے۔ ورنہ جہاں تک وطن سے باہر رہنے کا سوال ہے اس میں ہمارا مبلغ اور ایمبیسی میں ملازمت اختیار کرنے والا نوجوان برابر ہوتے ہیں بلکہ ہمارے مبلغوں کو جو گزارہ ملتا ہے اس میں تو کئی غیر احمدی بھی احمدیت کی تبلیغ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر سال مجھے بعض غیر احمدیوں کے ایسے خطوط آجاتے ہیں کہ ہم اس بات کے لیے تیار ہیں کہ غیر ممالک میں احمدیت کی تبلیغ کریں۔ آپ ہمیں اپنے روپیہ پر باہر بھجوا دیں۔ غرض غیر ممالک میں جانے کے لیے تو لوگ ترستے رہتے ہیں اور ہمارا مبلغ مفت میں یورپ اور امریکہ پہنچ جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں پہلی دفعہ یورپ گیا تو میرے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب کا ایک لڑکا بھی اُن دنوں وہاں گیا ہوا تھا۔ میں نے سنا کہ وہ سلسلہ کے خلاف باتیں کرتا ہے۔ میں نے ایک دوست سے جو اَب بیرسٹر ہیں اور سرگودھا میں کام کرتے ہیں اور اُن دنوں تعلیم کے لیے وہاں گئے ہوئے تھے پوچھا کہ بات کیا ہے اور وہ سلسلہ کے خلاف کیوں باتیں کرتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اُسے اِس بات پر غصہ ہے کہ سلسلہ نے نوابوں کو ذلیل کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک مبلغ کا نام لے کر کہا کہ انہوں نے جب اس جیسے ذلیل آدمی کو مبلغ بنا کر بھیج دیا تو اب بتاؤ کہ ہماری کیا عزت رہی؟ وہ اس مبلغ کے متعلق سمجھتا تھا کہ وہ بہت ہی ذلیل آدمی ہے اور خیال کرتا تھا کہ جب انہوں نے فلاں شخص کو جو صرف انٹرنس پاس ہے مبلغ بنا کر بھیج دیا ہے تو اب نواب تو ذلیل ہو گئے ان کی بھلا کیا عزت رہی؟ گویا اسے یہ غصہ تھا کہ اتنے کم تعلیم یافتہ اور معمولی آدمی کو لندن کیوں بھجوا دیا اور یہاں اس ملک میں کسی آدمی کا تبلیغ کے لیے جانا بڑی بھاری قربانی سمجھا جاتا ہے۔ وہاں ایک شخص کو اس لیے ابتلا آ گیا کہ فلاں کو مبلغ بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے اور ہمارا مبلغ اِس غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ کی خدمت کر کے کوئی قربانی کر رہا ہے حالانکہ بیرونی ممالک میں ہمارے جس قدر مبلغ کام کر رہے ہیں ان سب کو

صرف سلسلہ کی وجہ سے ہی عزت اور شہرت نصیب ہوئی ہے۔

فلسطین میں جو ہمارے مبلغ رہے ہیں ان کو بھی سلسلہ نے ہی تعلیم دلائی تھی اور پھر وہاں جا کر بھی ان کی بڑی عزّت ہوئی۔ جس دن انہوں نے وہاں سے روانہ ہونا تھا اسرائیل کے پریذیڈنٹ نے اپنے سیکرٹری کے ذریعہ انہیں پیغام بھجوایا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ واپس جا رہے ہیں۔ آپ جانے سے پہلے ایک دفعہ مجھ سے ضرور مل لیں۔ چنانچہ وہ ملنے کے لیے گئے اور جب باتیں ہو چکیں تو وہ اپنے کمرہ سے باہر انہیں چھوڑنے کے لیے آیا اور جب انہوں نے مصافحہ کیا تو سرکاری فوٹو گرافر جو اس نے پہلے سے مقرر کیا ہوا تھا اُس نے فوراً دونوں کا فوٹو لے لیا اور پھر سارے شام اور مصر اور امریکہ کے اخباروں میں اسے شائع کرایا گیا اور لکھا گیا کہ اسلامی مبلغ اسرائیل کے پریذیڈنٹ سے مصافحہ کر رہا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحب شام گئے تو وہاں لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ اسرائیل سے مل گئے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ وہ کہنے لگے اخباروں میں تو تصویریں چھپی ہیں کہ آپ کا مبلغ اسرائیل کے پریذیڈنٹ سے مصافحہ کر رہا ہے۔ دراصل اس نے چالاکی کی تھی۔ بظاہر تو اس نے ہمارے مبلغ کو ملنے کے لیے بلوایا۔ مگر در پردہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ ہم مصافحہ کے وقت ان کا فوٹو لے لیں گے اور تمام ممالک میں یہ پروپیگنڈا کریں گے کہ اسلامی مبلغ اور اسرائیل میں دوستی ہے۔ چنانچہ جب وہ انہیں باہر چھوڑنے آیا اور انہوں نے مصافحہ کیا تو سرکاری فوٹو گرافر نے فوٹو لے لیا اور اسے ہندوستان اور مصر اور شام اور امریکہ میں پھیلایا گیا۔ تو دیکھو ہمارے مبلغ کا کتنا بڑا اعزاز ہوا کہ اسرائیل کا پریذیڈنٹ جو بادشاہ کے طور پر تھا اُس نے خود ملاقات کی خواہش کی اور پھر مصافحہ کے فوٹو اُس نے تمام اخبارات میں شائع کروائے۔

اِسی طرح ایران کا بادشاہ لندن گیا تو اس نے ایک اعلیٰ درجہ کا کمپاس مسجد کے لیے تحفہ کے طور پر بھجوایا۔ ڈاکٹر سکارنو انڈونیشیا کا پریذیڈنٹ ہے مگر اس نے ہمارے مبلّغ کا اتنا اعزاز کیا کہ جب اس نے قرآن کریم کا ترجمہ تحفہ کے طور پر پیش کیا تو ڈاکٹر سکارنو کھڑا ہو گیا۔ اس نے قرآن کریم کو چُوما، اُسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر اسے دیکھ کر کہا کہ آپ لوگوں نے اسلام کی بڑی بھاری خدمت کی ہے۔ پھر جب وہ لاہور میں آیا اور گورنر پنجاب کی طرف سے اُس کی دعوت ہوئی تو اُس نے اپنے سیکرٹری سے پوچھا کہ کیا احمدی مبلغ کو بھی بلایا گیا ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا نہیں۔ وہ کہنے لگا منتظمین کو

کہہ دیا جائے کہ اُن کو بھی بلایا جائے۔ چنانچہ گورنر کی طرف سے ان کو بھی شمولیت کی دعوت آ گئی۔ اب دیکھو انڈونیشیا کے پریذیڈنٹ نے ہمارے مبلّغ کا کتنا اعزاز کیا کہ ہمارے اپنے گورنر نے تو اسے نظر انداز کر دیا مگر اُس نے کہا کہ جب مجھے بلایا ہے تو پھر ان کو بھی بلایا جائے۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمارے مبلغ نے دین کی خدمت کر کے کوئی قربانی کی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس نے کوئی قربانی نہیں کی بلکہ خدا نے اس پر یہ احسان کیا کہ اُس نے اسے خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائی۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اَعراب کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم نے اسلام قبول کر کے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ خدا نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔4 اسی طرح انہیں غیر ممالک میں احمدیت کا مبلّغ بنا کر سلسلہ نے ان پر احسان کیا ہے ورنہ ان کی حیثیتیں ہی کیا تھیں کہ وہ کسی غیر ملک میں جا سکتے۔ ان کو تو شاید پاسپورٹ بھی نہ ملتا۔ انہیں اگر پاسپورٹ ملا تو سلسلہ کے طفیل ملا اور اگر وہ غیر ممالک میں گئے تو سلسلہ کے طفیل گئے حالانکہ دوسرے لوگوں کو پاسپورٹ ملنے میں بھی ہزاروں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

امریکن قونصل جنرل جس کی حیثیت ایک وزیر کی ہوتی ہے وہ ایک دفعہ لاہور میں مجھے ملنے کے لیے آیا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی ایسی خدمت ہو جس کا میرے ساتھ تعلق ہو تو مجھے بتایا جائے میں اس کے متعلق اپنی پوری کوشش کروں گا۔ میں نے کہا صرف ایک بات ہے اور وہ یہ کہ ہمارے مبلّغوں کو امریکہ کا ویزا (Visa) ملنے میں دقتیں ہوتی ہیں۔ کہنے لگا اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں یہاں سے جتنے لوگ جاتے ہیں سب منگتے یا ہاتھ دیکھنے والے ہوتے ہیں اور اُن کو ہمارا ملک پسند نہیں کرتا۔ ہم مبلّغ صرف عیسائیوں کو سمجھتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ گرجا اُن کی مدد کر رہا ہے باقی جس قدر لوگ ہیں اُن کو ہم فقیر اور ارڑ پوپو 5 سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا ہم تو اپنی جماعت کے مبلّغین کو باقاعدہ خرچ بھجواتے ہیں۔ اس لیے ہمارے متعلق اس قسم کا کوئی خیال نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اُس نے اپنی حکومت کو اِس بارہ میں چٹھی لکھی اور چند دنوں کے بعد اُس کی طرف سے جواب آ گیا جس کی ایک نقل اُس نے مجھے بھی بھجوا دی۔ اُس میں حکومتِ امریکہ نے لکھا تھا کہ ہم نے حکم دے دیا ہے کہ احمدی مبلّغوں کے راستہ میں کسی قسم کی روک نہ ڈالی جائے کیونکہ ہمیں اِس بات کا علم ہو چکا ہے کہ جیسے پادریوں کو باقاعدہ گزارے ملتے ہیں اسی طرح احمدی مبلّغین کو بھی ان کا سلسلہ خرچ دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد

روک دور ہوگئی اور اب ہر مبلغ کو بڑی آسانی سے پاسپورٹ مل جاتا ہے حالانکہ دوسرے لوگوں کو پاسپورٹ لینے کے لیے بھی بڑی بڑی رقمیں خرچ کرنی پڑتی ہیں۔ چودھری رستم علی صاحب کا ایک بھتیجا یا بھانجا ایک دفعہ (تقسیم سے قبل) بمبئی میں اس جُرم میں پکڑا گیا کہ وہ پاسپورٹ بنوانے کے لیے لوگوں سے پانچ پانچ، چھ چھ سو روپیہ لیتا تھا۔ تو دوسرے لوگوں میں سے بڑی بڑی حیثیتوں والوں کو بھی پاسپورٹ کے ملنے میں کئی قسم کی دقتیں پیش آ جاتی ہیں لیکن ہمارا مبلّغ جو اُن سے بہت کم حیثیت ہوتا ہے اسے صرف جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے آسانی سے پاسپورٹ مل جاتا ہے۔

پاکستان کے ایک سابق وزیر تھے جو اپنی بیوی کے ساتھ یورپ کی سیاحت کے لیے گئے۔ زیورک میں وہ شیخ ناصر احمد صاحب سے بھی ملے اور کہنے لگے کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ایکسچینج کی دِقتوں کی وجہ سے بہت دیر بعد خرچ ملتا ہے۔ اگر آپ اِس دقّت کو رفع کرا سکیں تو ہمیں آسانی ہو جائے گی۔ اُس کی بیوی نے یہ بات سنی تو وہ اپنے خاوند سے کہنے لگی کہ ان کے متعلق ضرور کوشش کرو۔ اب تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو کہ کام صرف یہی لوگ کر رہے ہیں۔ تمہارے ایمبیسیڈر تو صرف گھروں میں بیٹھے رہتے یا سیریں کرتے رہتے ہیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ میں پونڈوں کی کمی دور کروانے کی کوشش کروں گا مگر اس کے آتے ہی وزارت بدل گئی اور وہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کر سکا۔ مگر خدا تعالیٰ نے بعض اَور آدمی پیدا کر دیئے جنہوں نے پونڈوں کی کمی کے باوجود ہمارے ساتھ نیک سلوک کیا۔ اس کی وجہ سے ہمارے مبلّغوں کو کچھ نہ کچھ خرچ پہنچتا ہی رہتا ہے۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ ہمیں قربانی کی توفیق دے رہا ہے مگر سوال یہ ہے کہ صرف اتنی قربانی کرنے پر ہم یہ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں سال تک خدا تعالیٰ کا سایہ ہماری جماعت کے سر پر رہے گا۔

صحابہؓ نے جو قربانیاں کیں وہ اپنی ذات میں اتنی بے مثال ہیں کہ آج بھی ان کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بلالؓ کے نمونہ کو ہی دیکھ لو۔ کیا آج کوئی ایک بھی احمدی ہے جو بلالؓ جیسا نمونہ دکھا سکے؟ سخت گرمیوں کے موسم میں جب دھوپ خوب چمک رہی ہوتی تھی لوہے کی میخوں والے جُوتے پہن کر مکہ کے لوگ بلالؓ کے سینہ پر چڑھ جاتے۔ اُس پر ناچتے اور کُودتے اور پھر کہتے کہ کہو خدا کے سوا اَور بھی معبود ہیں مگر وہ یہی کہتے کہ اَللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ اَحَدٌ۔ اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک

ہے۔ پھر وہ ان کے پَیروں میں رسیاں باندھ کر کھنگھروں والی گلیوں میں گھسیٹتے جس سے اُن کا تمام بدن پھولئیاں ہو جاتا مگر اِس کے باوجود اُن کی زبان سے یہی الفاظ نکلتے کہ اَللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ اَحَدٌ اللہ اکیلا ہے۔ اللہ اکیلا ہے۔6

ان کی یہ قربانی اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ ایک دفعہ جبکہ وہ مدینہ میں اذان دے رہے تھے کچھ نوجوانوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ بلالؓ چونکہ حبشی تھے اس لیے وہ اَشْھَدُ کہنے کی بجائے اَسْھَدُ کہا کرتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو آپؐ نے حضرت بلالؓ کو مؤذّن مقرر فرما دیا مگر وہ ہمیشہ اَشْھَدُ کی بجائے اَسْھَدُ کہا کرتے کیونکہ وہ ش کا لفظ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ کے بچے اور حدیث العہد نوجوان ان کی اذان سنتے تو اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے پر وہ ہنس پڑتے۔ ایک دفعہ وہ اِسی طرح ہنسے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو بلال کے اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے پر ہنستے ہو مگر میں نے کشفی حالت میں دیکھا ہے کہ خدا عرش پر بلال کے اَسْھَدُ کہنے پر خوش ہو رہا ہے۔7 گویا جس چیز کو تم ہنسی اور تحقیر کا موجب سمجھ رہے ہو وہی اس کی شان کو بڑھانے والی اور اس کی عزت کو دوبالا کرنے والی ہے کیونکہ اس نے اُس وقت اسلام قبول کیا تھا جب تمام لوگ دشمن تھے اور اسلام کے قبول کرنے پر اسے بڑی بڑی اذیتیں دیا کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف جب فتنہ اُٹھا اور لوگوں نے آپ کو شہید کرنا چاہا تو اس وقت حضرت بلالؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا اور کہا کہ اے لوگو! تم ایسا نہ کرو ورنہ خدا تعالیٰ کا تم پر عذاب نازل ہوگا لیکن لوگوں نے ان کی بات کی کوئی پروانہ کی اور حضرت ابوبکرؓ کے ایک بیٹے نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمانؓ نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ صرف نظر اُٹھا کر آپ نے اُس کی طرف دیکھا اور فرمایا اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اِس جگہ ہوتا تو وہ یہ حرکت نہ کرتا۔ معلوم ہوتا ہے اُس کے دل میں ابھی کچھ ایمان باقی تھا۔ اُس کا ہاتھ کانپ گیا اور وہ پیچھے ہٹ گیا8 مگر پھر ایک اور منافق آگے بڑھا اور اُس نے آپ کو شہید کر دیا۔9 غور کرو کہ صحابہؓ کتنی بڑی قربانیاں کرنے والے انسان تھے۔ کس طرح اسلام کی حفاظت کے لیے انہوں نے دیوانہ وار اپنی جانیں قربان کیں مگر دوسری تیسری نسل میں ہی لوگوں کے اندر ایسا بگاڑ پیدا ہو گیا کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کو میدانِ کربلا میں شہید کر دیا۔

حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ جنہوں نے اسلام کے لیے اتنی بڑی قربانی کی تھی کہ وہ ایران سے ہندوستان آئے اور بغیر ایک پیسہ لیے اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ ان کی اولاد آج بھیک مانگ مانگ کر گزارہ کر رہی ہے۔ امراء حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ کے ادب کی وجہ سے ان کی اولاد کو روپیہ دے دیتے ہیں جس سے وہ گزارہ کرتی ہے ورنہ اپنی ذات میں ان کے اندر کوئی روحانیت باقی نہیں رہی۔

یہی حال حضرت نظام الدینؒ صاحب اولیاء اور حضرت فرید الدینؒ صاحب شکر گنج سے تعلق رکھنے والوں کا ہوا۔ انہوں نے ایک بہشتی دروازہ بنایا ہوا ہے اور جو لوگ وہاں عقیدت اور اخلاص کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس دروازہ میں سے گزرو اور آگے چل کر نذر پیش کرو۔ اب بھلا وہ بھی کیا نذر ہوئی جو زبردستی لی جاتی ہے۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ ظاہر اور باطن اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے انسان خواہ کس قدر تدبیریں کرے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی نُصرت کے بغیر وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

مسیحیوں کو دیکھ لو وہ تین سو سال تک غاروں میں رہتے رہے لیکن انہوں نے حضرت مسیحؑ کو نہیں چھوڑا۔ رومی بادشاہ اُس وقت بُت پرست تھا اور اس نے حکم دے دیا تھا کہ جہاں کوئی عیسائی ملے اُسے مار ڈالو۔ چنانچہ وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے غاروں میں رہنے لگے۔ میں نے اٹلی میں خود وہ جگہیں دیکھی ہیں جہاں عیسائیوں نے پناہ لی۔ ان غاروں کو کیٹا کومبز (Catacombs) کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کا نام کہف رکھا گیا ہے۔10 وہاں جگہ جگہ کتبے لگے ہوئے ہیں اور اُن پر شہید ہونے والوں کے حالات درج ہیں۔ ایک جگہ ایک لڑکے نے لکھا ہوا تھا کہ یہاں میری ماں، میرا باپ اور اتنے بھائی اور بہنیں مار دیئے گئے تھے اور وہ اِسی جگہ دفن ہیں۔ اے آنے والے! تُو خدا تعالیٰ کی راہ میں اِن جان دینے والوں کے لیے دُعا کر کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے اور انہیں اپنی رضا کا وارث کرے۔ غرض تین سو سال تک عیسائیوں کو ماریں پڑتی رہیں اور بعد میں وہ اُس وقت غاروں سے نکلے جب روم کا بادشاہ عیسائی ہوگیا۔ اُس نے ایک خواب کی بناء پر عیسائیت کو قبول کیا اور تمام ملک میں اعلان کر دیا کہ اب عیسائیوں کے لیے امن ہے۔ پھر یہ لوگ باہر نکلے مگر اتنی بڑی قربانی کرنے والے عیسائیوں کی اولادوں کا آج کیا حال ہے۔ انہوں نے مسیحؑ کو جو خدا تعالیٰ کا ایک معمولی

بندہ تھا خدا بنایا ہوا ہے حالانکہ ان کے آباء و اجداد محض توحید کو قائم رکھنے کے لیے تین سو سال تک غاروں میں رہے۔ تم ایک دن بھی غار میں نہیں رہ سکتے مگر وہ برابر تین سو سال تک غاروں میں اپنی زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ چوروں کی طرح رات کو باہر نکلتے اور لوگوں سے چھپ چھپ کر کھانے پینے کی چیزیں اپنے لیے مہیا کرتے، اندر ہی اُن کے گرجے تھے، اندر ہی اُن کی شادیاں ہوتی تھیں اور اندر ہی اُن کے بچے پیدا ہوتے تھے۔ نا معلوم کتنی عورتیں وضع حمل کے وقت دایوں کے نہ ملنے کی وجہ سے مر گئی ہوں گی اور کتنے بچے تلف ہوئے ہوں گے۔ مگر انہوں نے سالہا سال ان تکلیفوں کو برداشت کیا اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو چھوڑنے کا انہوں نے خیال تک نہ کیا۔

مگر یہاں یہ حالت ہے کہ 1953ء میں چند مولویوں نے اپنے مخالفانہ وعظوں سے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا تو اس مخالفت کی وجہ سے کئی احمدی گھبرا گئے اور وہ شکایتیں کرنے لگے کہ ہمارا پانی بند کر دیا گیا ہے یا ہمیں فلاں فلاں تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بیان کیا ہے کہ اُن دنوں سیالکوٹ کے ضلع سے ایک عورت اکیلی ربوہ پہنچی اور اُس نے کہا کہ ہمارے گاؤں میں ایک ہی کنواں ہے جس سے احمدیوں کو پانی لینے سے روک دیا گیا ہے اور اِس وجہ سے جماعت کے لوگ سخت تکلیف میں ہیں۔ میں نے مردوں سے کہا کہ جاؤ اور ربوہ خبر دو مگر انہوں نے کہا کہ کون جائے رستہ بڑا خطرناک ہے۔ اِس پر میں اکیلی آ گئی تا کہ میں آپ کو حالات سے باخبر کروں۔ اُن دنوں اتفاقاً چار پانچ دوست باہر سے آئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کو کار دے کر کہا کہ فوراً جاؤ اور پانی کھلوا کر آؤ۔ چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے پانی کھلوایا بلکہ ان کے جانے سے اُس گاؤں کے لوگ اتنے ڈر گئے کہ انہوں نے کہا کہ احمدیوں کو پانی لینے سے کون روکتا ہے۔ کسی نادان لڑکے نے انہیں روکا ہوگا ہم نے تو نہیں روکا۔ ان کا حق ہے کہ آئیں اور پانی لے جائیں۔ مگر اِتنی معمولی تکلیف پر ہی بعض لوگ مرتد ہو گئے۔

ایک پرانے احمدی تھے جو 70، 75 سال کی عمر کے تھے اُن کے پاس بھی گاؤں کے لوگ پہنچے اور کہنے لگے کہ چلو اور مسجد میں چل کر توبہ کرو۔ اُس نے کہا ہم تو ہر روز توبہ کرتے ہیں۔ آج مجھ سے نئی توبہ کونسی کروانے لگے ہو؟ وہ کہنے لگے ہماری مراد اس توبہ سے نہیں بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ تم احمدیت سے توبہ کرو۔ وہ کہنے لگا میں اپنے سارے گناہوں سے تمہارے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ لوگ

خوش خوش واپس چلے گئے اور انہوں نے اپنے مولوی سے جا کر کہا کہ ہم تو اس سے توبہ کروا آئے ہیں۔ اُس نے کہا کس طرح؟ وہ کہنے لگے اس نے سب کے سامنے کہہ دیا ہے کہ میں اپنے سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ وہ کہنے لگا اِس قسم کی توبہ تو وہ تم سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ اگر اِس نے واقع میں احمدیت سے توبہ کر لی ہے تو پھر اسے مسجد میں لاؤ اور میرے پیچھے نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ وہ پھر اُس کے پاس گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا کہ اب پھر تم کیوں آ گئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ مسجد میں چل کر نماز پڑھیں تا کہ ہمیں یقین ہو کہ آپ نے احمدیت سے توبہ کر لی ہے۔ وہ کہنے لگا میں نے تو اس لیے توبہ کی تھی کہ مرزا صاحب کہتے تھے نمازیں پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو، جھوٹ نہ بولو، شراب نہ پیو، جوا نہ کھیلو، کنچنیاں نہ نچواؤ۔ اب تم نے جب توبہ کروائی تو میں خوش ہو گیا کہ چلو نمازیں بھی چھوٹیں، روزے بھی گئے، زکوٰۃ بھی معاف ہوئی، حج بھی گیا، اب دن رات شرابیں پیئیں گے، جؤا کھیلیں گے، کنچنیوں کے ناچ دیکھیں گے مگر تم تو پھر نمازیں پڑھانے کے لیے آ گئے ہو۔ اگر نمازیں ہی پڑھانی تھیں تو یہ نمازیں تو مرزا صاحب بھی پڑھایا کرتے تھے۔ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ وہ شرمندہ ہو کر اپنے مولوی کے پاس آئے اور انہوں نے یہ سارا واقعہ اُسے سنایا۔ وہ کہنے لگا میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اُس نے ضرور کوئی چالاکی کی ہے ورنہ اگر اُس نے توبہ کی ہوتی تو یہاں آ کر ہمارے پیچھے نماز کیوں نہ پڑھتا۔ اُس شخص کے بیٹے کے دل میں ایمان زیادہ تھا۔ اُسے جب اپنے باپ کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوا اور اُس نے اپنے باپ کو کہا کہ تُو نے اتنی کمزوری بھی کیوں دکھائی؟

کئی بیٹے مخلص ہوتے ہیں اور ماں باپ کمزور ہوتے ہیں اور کئی ماں باپ مخلص ہوتے ہیں اور بیٹے کمزور ہوتے ہیں۔ لیکن بہرحال اصل خوبی یہی ہے کہ قوم کو ہزاروں بلکہ لاکھوں سالوں تک توکّل اور ایمان کی زندگی نصیب ہو اور اُس کے افراد خدا تعالیٰ کے دامن کو ایسی مضبوطی سے پکڑے رکھیں کہ ایک لحہ کے لیے بھی اُس سے جُدا ہونا انہیں گوارا نہ ہو اور جماعت میں کبھی ایسے لوگ پیدا نہ ہوں جو عبداللہ بن سبا کی طرح فتنہ برپا کرنے والے ہوں یا یزید کی طرح اسلام کو نقصان پہنچانے والے ہوں۔ یہ لوگ اس لیے پیدا ہوئے کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ کے اندر نہ خلافت پر سچا ایمان باقی رہا اور نہ اس کے مطابق انہوں نے قربانیاں کیں۔ اگر وہ لاکھوں سال تک ایمان اور عمل صالح پر قائم

رہتے تو لاکھوں سال تک خدا تعالیٰ کی حفاظت بھی اُن کے شاملِ حال رہتی۔ لیکن چونکہ تیس سال کے بعد ہی خلافت راشدہ ان میں باقی نہ رہی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہی فتنے پیدا ہونے شروع ہوگئے اِس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اُس وقت مسلمانوں کے ایک طبقہ کے اندر نورِ ایمان باقی نہیں رہا تھا اور جب نورِ ایمان باقی نہ رہا تو خدا تعالیٰ نے بھی اپنی نُصرت کا ہاتھ اُن سے کھینچ لیا۔ آخر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ کسی جگہ نور رہو اور وہاں خدا نہ ہو؟ جہاں بھی ایمان اور عملِ صالح کا نور ہوگا وہاں خدا ضرور ہوگا۔ اور جہاں ایمان اور عمل صالح نہیں رہے گا وہاں خدا تعالیٰ بھی پیچھے ہٹ جائے گا۔ دیکھ لو اگر آج مسلمانوں کے اندر وہی ایمان پایا جاتا جو امام حسینؓ کے اندر پایا جاتا تھا یا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اندر پایا جاتا تھا تو کیا وہ دنیا میں ذلیل ہوتے؟ وہ ہر جگہ غالب ہوتے اور دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کرسکتی۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ آج بھی مسلمانوں کے پاس بادشاہت ہے مگر بادشاہت اصل چیز نہیں بلکہ دل کی پاکیزگی اصل چیز ہے۔ یوں تو عیسائیوں کو بھی بادشاہت ملی ہوئی ہے مگر اس بادشاہت کے باوجود خدا تعالیٰ کی لعنتیں اُن پر برس رہی ہیں۔ اِسی طرح اسرائیل کے پاس بھی بادشاہت ہے مگر قرآن کہتا ہے کہ داؤدؑ اور مسیحؑ کی بددُعا کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت ڈالی ہوئی ہے۔11 پس بادشاہت کے ملنے پر خوش نہیں ہوجانا چاہیے اور نہ خدا تعالیٰ سے بادشاہت مانگنی چاہیے بلکہ خدا تعالیٰ سے یہ دعائیں کرنی چاہییں کہ خدایا! تُو ہمیشہ ہمارا اور ہماری اولادوں کا ساتھ دے اور ہم میں نورِ ایمان کو قائم رکھ اور ہمیں ایسے اعمال کے بجالانے کی توفیق عطا فرما جو دنیا و آخرت میں تیری رضا کا موجب ہوں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ جو کچھ چاہے گا تمہیں عطا فرما دے گا۔ چنانچہ قرآن کریم نے مومنوں کو جو دعا سکھلائی ہے وہ یہی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ 12 یعنی اے خدا! تُو ہمیں دنیا میں بھی حَسنہ دے اور آخرت میں بھی حَسنہ دے۔ اگر خالی دنیوی عزّت ملے جس کے ساتھ اخروی عزت نہ ہو تو وہ ایک لعنت ہوتی ہے۔ جیسے یہود کو آجکل خالی دنیوی عزت ملی ہوئی ہے یا عیسائیوں کو صرف دنیوی عزت ملی ہوئی ہے مگر اُخروی عزّت سے انہیں کوئی حصہ نہیں ملا لیکن خالی اُخروی عزت بھی ایک بے ثبوت چیز ہوتی ہے۔ ثبوت والی چیز وہی ہوتی ہے جس میں دین اور دنیا دونوں اکٹھے ملیں۔ پس رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا

حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً میں ہمیں یہ دعا سکھلائی گئی ہے کہ الٰہی! ہمیں دنیا میں بھی عزت بخش اور آخرت میں بھی ہمارے مقام کو بلند کر۔ اگر ہمیں دنیا ملے تو ہم اسے اپنی ذات کے لیے استعمال نہ کریں بلکہ تیرے دین کی شوکت قائم کرنے کے لیے استعمال کریں اور تیری رضا اور خوشنودی کے لیے اسے صَرف کریں۔ اگر ایسا ہو تو پھر انسان کو دنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور بھی اس کا رُتبہ بڑھتا ہے۔

پس ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کے ساتھ قیامت تک رہے تا کہ اُس کا نام ہماری نسلیں ہمیشہ بلند کرتی رہیں۔ وہ دنیا کے لیے ایک دوسرے کا گلا نہ کاٹیں، وہ دنیا کے لیے ایک دوسرے سے لڑیں نہیں بلکہ دنیا کے ملنے پر دین کی اَور زیادہ خدمت کریں اور ہر قسم کی عزت ملنے کے باوجود دین کی خدمت کرنے میں فخر محسوس کریں۔ اور اگر کوئی بادشاہ بھی ہو جائے تو وہ فقیر سے زیادہ متواضع ہو۔ اب جو دنیا میں سید کہلاتے ہیں نا معلوم وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے ہیں یا نہیں ممکن ہے ان میں سے بعض کسی فقیر کی نسل سے ہوں اور کہلاتے سید ہوں لیکن ان میں کتنا کِبر پایا جاتا ہے۔ ہماری والدہ خواجہ میر درد کی اولاد میں سے تھیں جو مسلّمہ سید تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہمارے ہاں ایک سیدانی مانگتی ہوئی آ گئی اور کہنے لگی کہ مجھے پیاس لگی ہے پانی پلاؤ۔ ہماری والدہ صاحبہ نے ایک خادمہ سے کہا کہ اسے پانی پلا دو۔ اُس نے گھڑے میں سے گلاس بھر کر دیا تو اُس نے بڑے زور سے گلاس کو پرے پھینک دیا اور کہا ''سیدانی نوں تُو امتی دے گلاس وچ پانی پلاندی ہیں''، یعنی میں تو سیدانی ہوں مجھے امتی کے گلاس میں کیوں پانی دیتی ہو۔ ہماری والدہ صاحبہ نے ہنس کر کہا کہ میں بھی سیدانی ہوں۔ اب اُس کے سیدانی ہونے میں تو شُبہ ہی تھا نا معلوم وہ سچی تھی یا جھوٹی مگر ہماری والدہ تو حقیقتاً سیدانی تھیں۔ خواجہ میر درد کی اولاد میں سے تھیں اور ان کے والد نے یہ پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ ہمارا سلسلہ نسب ایک دن مہدی آخرالزمان کے ساتھ جا ملے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مخالف حالات میں ان کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور اماں جان کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے شادی ہو گئی اور ان کا شجرہ نسب مہدی موعود سے آ کر مل گیا۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ ان لوگوں کو برکتیں ملتی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اولاد ہیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ بھی سید تھے مگر ابوبکرؓ اور عمرؓ ان سے کم

سیدنہ تھے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد تھے اور ایسے مخلص تھے کہ انہوں نے آپؐ کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوٰی فرمایا تو مکہ والوں نے آپؐ کی سخت مخالفت کی۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ سجدہ میں گئے تو بعض شریروں نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی لاکر رکھ دی اور چونکہ وہ بڑی بھاری تھی آپ سجدہ سے سر نہ اُٹھا سکے۔ حضرت فاطمہؓ کو اِس بات کا علم ہوا تو وہ روتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آپ کی پیٹھ پر سے اوجھڑی ہٹائی۔13

اِسی طرح ایک دفعہ کُفّار نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر زور سے کھینچنا شروع کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور آپ نے اُن کُفّار کو ہٹایا اور فرمایا اے لوگو! تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا کہ تم ایک شخص کو محض اس لیے مارتے پیٹتے ہو کہ وہ کہتا ہے اللہ میرا ربّ ہے۔14 وہ تم سے کوئی جائیداد تو نہیں مانگتا۔ پھر تم اُسے کیوں مارتے ہو؟

صحابہؓ کہتے ہیں ہم اپنے زمانہ میں سب سے بہادر حضرت ابوبکرؓ کو سمجھتے تھے کیونکہ دشمن جانتا تھا کہ اگر میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار لیا تو اسلام ختم ہو جائے گا اور ہم نے دیکھا کہ ہمیشہ ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوتے تھے تاکہ جو کوئی آپ پر حملہ کرے اُس کے سامنے اپنا سینہ کر دیں۔ چنانچہ جب بدر کے موقع پر کُفّار سے مُڈھ بھیڑ ہوئی تو صحابہؓ نے آپس میں مشورہ کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عرشہ تیار کر دیا اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یَا رَسُولَ اللّٰہ! آپ اس عرشہ پر تشریف رکھیں اور ہماری کامیابی کے لیے دعا کریں دشمنوں سے ہم خود لڑیں گے۔ پھر انہوں نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ گو ہمارے اندر بھی اخلاص پایا جاتا ہے مگر وہ لوگ جو مدینہ میں بیٹھے ہیں وہ ہم سے بھی زیادہ مخلص اور ایماندار ہیں۔ انہیں پتا نہیں تھا کہ کُفّار سے جنگ ہونے والی ہے ورنہ وہ لوگ بھی اِس لڑائی میں ضرور شامل ہوتے۔ یَا رَسُولَ اللّٰہ! اگر خدانخواستہ اِس جنگ میں ہمیں شکست ہو تو ہم نے ایک تیز رفتار اونٹنی آپ کے پاس باندھ دی ہے اور ابوبکرؓ کو آپ کے پاس کھڑا کر دیا ہے۔ ان سے زیادہ بہادر اور دلیر آدمی ہمیں اپنے اندر اور کوئی نظر نہیں آیا۔ یَا رَسُولَ اللّٰہ! آپ فوراً ابوبکر کے ساتھ اِس اونٹنی پر بیٹھ کر مدینہ تشریف لے جائیں اور وہاں سے ایک نیا لشکر کُفّار کے مقابلہ کے لیے لے

آئیں جو ہم سے بھی زیادہ مخلص اور وفادار ہوگا۔15

اِس واقعہ سے اندازہ لگالو کہ ابوبکرؓ کتنی قربانی کرنے والا انسان تھا۔ مگر پھر ابوبکرؓ کے ایک بیٹے نے ہی حضرت عثمانؓ پر حملہ کیا۔ گو ابوبکرؓ کی نیکی کی وجہ سے وہ بچ گیا اور اُس نے اپنا قدم پیچھے ہٹا لیا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے اسے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اِس جگہ موجود ہوتا تو وہ ایسی حرکت نہ کرتا تو اُس کا ہاتھ کانپ گیا اور وہ نادم ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ مگر پھر وہ لوگ جو حملہ کرنے کے لیے مصر سے آئے ہوئے تھے اور جو درحقیقت عبداللہ بن سبا یہودی کے مُرید تھے اُن میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے حضرت عثمانؓ پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ ایسے ظالم تھے کہ حضرت عثمانؓ کی بیوی آپ کو بچانے کے لیے آگے آئیں تو اُس نے اُن پر بھی تلوار چلا دی جس سے اُن کی تین انگلیاں کٹ گئیں16۔ اُس وقت حضرت عثمانؓ کی بیوی نے اُن سے کہا کہ اے لوگو! تمہاری شرافت کو کیا ہوا؟ عرب لوگ تو عورتوں کا بڑا لحاظ کیا کرتے تھے۔ اِس پر وہ خبیث کہنے لگا کہ آگے سے ہٹ جاورنہ ہم تیری گردن بھی اُڑا دیں گے۔ اب دیکھو یہ انہیں لوگوں کی اولاد میں سے تھے جنہوں نے اسلام کے لیے بڑی بھاری قربانیاں کی تھیں مگر جب ان کی اگلی نسل میں نورِ ایمان باقی نہ رہا تو خدا تعالیٰ کی نُصرت بھی جاتی رہی اور وہ لوگ تباہ ہو گئے۔

اِس نظارہ کو دیکھتے ہوئے ہم کیا اُمید کر سکتے ہیں کہ قیامت تک ہماری نسلیں خدا تعالیٰ کی فرمانبردار رہیں گی اور کبھی ان میں دنیاداری نہیں آئے گی؟ دنیاداری تو اِتنی جلدی آ جاتی ہے کہ ایک دفعہ ہماری مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا کہ ایک احمدی دوست کھڑے ہو گئے۔ وہ اُن دنوں حصار میں تھے۔ اُن کے بھائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے اور اب اُن کے بیٹے بڑے بڑے عہدوں پر ہیں اور کہنے لگے کہ خلافت کا کیا فائدہ ہوا؟ میرے متعلق ایک کیس کے سلسلہ میں انکوائری ہو رہی ہے۔ خلیفہ صاحب کو چاہیے کہ وہ جائیں اور گورنر کے پاس میری سفارش کریں۔ میں نے اُن کے جواب میں کھڑے ہو کر کہا کہ میں ایسی خلافت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اگر خلافت کے یہی معنے ہیں کہ میں ان کے لیے گورنر کے پاس جا کر بھیک مانگوں تو میں اس کے لیے تیار نہیں۔ وہ آدمی نیک تھے۔ میرے اِس جواب پر انہوں نے کھڑے ہو کر معافی مانگ لی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑے کیے جاتے ہیں۔ انہیں یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے کے پاس جائیں بلکہ دوسرے لوگ خود چل کر اُن کے پاس آتے ہیں۔ دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک گوشہ تنہائی میں رہنے والے تھے مگر فنانشل کمشنر لاہور سے آپ سے ملنے کے لیے آیا۔ اِسی طرح 1925ء میں گورنر پنجاب خود مجھ سے ملنے کے لیے منالی آیا۔ اس ملاقات کی تقریب اِس طرح پیدا ہوئی کہ میں نے اپنی ہمشیرہ مبارکہ بیگم صاحبہ سے ایک دفعہ منالی کے پہاڑوں کا ذکر کیا کہ وہ بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے بھی دکھائیں۔ اُن دنوں وہاں مسٹر برک اسسٹنٹ کمشنر لگے ہوئے تھے اور چونکہ منالی میں رہائش کی جگہ کم ملتی ہے اس لیے میں نے انہیں لکھا کہ آپ ہمارے لیے ڈاک بنگلہ کا انتظام کر دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ بڑی خوشی سے آ جائیں۔ آپ کے لیے ڈاک بنگلہ میں رات دن ٹھہرنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ جب ہم کلّو پہنچے تو میں نے چودھری مظفر الدین صاحب کو جو اُس وقت میرے پرائیویٹ سیکرٹری تھے تحصیلدار کے پاس بھیجا اور میں نے کہا ان سے پوچھو کہ ڈاک بنگلہ رُکا ہوا تو نہیں؟ اگر رُکا ہوا نہ ہو تو ہم مقررہ وقت سے ایک دو دن پہلے ہی آ جائیں؟ جب وہ گئے تو میں نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ مجھے کوئی الہام تو نہیں ہوا لیکن میرے دل میں بڑے زور سے یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ وہاں گورنر پنجاب مجھ سے ملنے کے لیے آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چودھری مظفر الدین صاحب واپس آئے تو کہنے لگے کہ تحصیلدار کہتا تھا کہ اب پہلے اور پچھلے کا کوئی سوال نہیں آپ کو اپنی پہلی اجازت بھی منسوخ سمجھنی چاہیے کیونکہ ہمیں حکم آ گیا ہے کہ اب یہ بنگلہ کسی اَور کو نہ دیا جائے۔ میں نے کہا اُس سے وجہ بھی تو پوچھنی چاہیے تھی۔ وہ کہنے لگے میں نے پوچھا تھا مگر انہوں نے کہا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا آپ پھر جائیں اور اُس سے کہیں کہ تم تو نہیں بتاتے لیکن ہم تمہیں بتا دیتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ گورنر صاحب آ رہے ہیں۔ اب ہمارے بتا دینے پر تو آپ کو اقرار کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ چودھری صاحب نے جب اُس سے یہ بات کہی تو وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا آپ کو کس طرح پتا چلا کہ گورنر آ رہا ہے؟ یہ امر تو بہت ہی مخفی رکھا گیا تھا۔ خیر جب مجھے معلوم ہوا کہ پہلا انتظام بیکار ہو گیا ہے تو میں نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو بھیج دیا کہ وہاں جا کر کوئی مکان تلاش کریں۔ چنانچہ ایک ہندو جو سیشن جج تھا اُس کا مکان ہمیں مل گیا اور ہم وہاں چلے گئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت ہم سیر کے لیے گئے اور

چار پانچ گھنٹے باہر رہے۔ نماز پڑھ کر ہم واپس آ رہے تھے کہ تحصیلدار صاحب میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے میں نے جو خط آپ کو بھیجا تھا وہ آپ کو مل گیا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں میں تو ابھی باہر سے آ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ گورنر صاحب نے مجھے ایک خط دیا تھا اور کہا تھا کہ آپ کو پہنچا دیا جائے اور آپ کے گھر سے کسی فلاں آدمی نے دستخط کیے ہیں۔ میں نے کہا اِس نام کا تو ہمارے ساتھ کوئی آدمی نہیں۔ وہ کہنے لگے آپ گھر جا کر مجھے اطلاع بھجوائیں، ایسا نہ ہو کہ وہ خط ضائع ہو جائے اور گورنر صاحب مجھ پر ناراض ہوں۔ راستہ میں مَیں نے اپنی ہمشیرہ اور اُمِّ طاہر مرحومہ سے کہا کہ یہ وہی بات ہے جو میں نے کہی تھی اور گو وہ خط میں نے ابھی تک نہیں دیکھا مگر اُس میں یہی مضمون ہوگا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ گھر پہنچنے پر خط کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر کل عصر کے وقت آپ میرے ساتھ چائے پئیں تو آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ پھر ہم نے تحقیق کی کہ اس چٹھی کو وصول کس نے کیا تھا تو معلوم ہوا کہ ہمارے ہاں کوئی مہمان آئے ہوئے تھے انہوں نے اُس وقت دستخط کر دیئے تھے کیونکہ گھر میں اَور کوئی آدمی نہیں تھا۔ چونکہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی یہ خیال ڈالا گیا تھا کہ گورنر پنجاب مجھ سے کانگڑہ کے ضلع میں ملیں گے اس لیے میں نے ان سے ملنا منظور کر لیا۔ دوسرے دن مقررہ وقت پر میں ان سے ملا اور ان کا بیٹا جو کانگڑہ کے ضلع میں ڈی۔سی تھا اور اُن کی بہو بھی وہاں موجود تھیں انہوں نے اپنے بیٹے اور بہو کو میرے سامنے اِس طرح پیش کیا جیسے میں نواب ہوں اور وہ میرے نوکر ہیں۔ اور پھر پانچ بجے سے لے کر نو بجے تک پورے چار گھنٹے وہ مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ چونکہ رات زیادہ ہو گئی تھی اور پہاڑوں پر سردی ہوتی ہے اس لیے وہ اندر سے کمبل لے آئے۔ انہوں نے میرے پَیروں پر ڈال دیا۔ میں نے اُن سے ایک دفعہ کہا کہ اب وقت زیادہ ہو گیا ہے اور پہاڑی علاقہ ہے۔ وہ کہنے لگے آپ کچھ فکر نہ کریں میری ڈانڈی 17 آپ کو لے جائے گی اور پولیس آپ کے ساتھ جائے گی۔ چنانچہ رات کے نو بجے ہم اُٹھے اور سرکاری ڈانڈی جس کے ساتھ حفاظت کے لیے پولیس مقرر تھی مجھے اپنے مکان پر پہنچانے کے لیے بھجوائی گئی۔

اب بتاؤ کہ جس سے ملنے کے لیے خود گورنر آئے اور اُس کے سامنے اپنے بیٹے اور بہو کو پیش کرے اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کی سفارش کے لیے گورنر کے پاس جائے۔ اگر ہماری آئندہ اولادیں بھی ایسی ہی باغیرت ہوں تو ہمارے لیے خوشی کا مقام ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ وہ چھوٹی چھوٹی

باتوں کے لیے مارے مارے پھرنے لگیں اور دنیا طلبی کی خواہش ان میں پیدا ہوگئی تو پھر ان کا وجود نہ دین کے لیے مفید ہوگا اور نہ دنیا میں وہ کوئی عزت حاصل کرسکیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو دنیا طلبی سے اتنی نفرت تھی کہ ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے تحصیلداری کا امتحان دیا تو حضرت صاحب کو بھی انہوں نے دُعا کے لیے لکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُن کا رقعہ پڑھ کر سخت غصہ آیا اور آپ نے اسے پھاڑ دیا مگر ادھر آپ نے رُقعہ پھاڑا اور اُدھر آپ کو الہام ہوا کہ ''پاس ہو جائے گا''۔18 چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ وہ پاس ہو گئے اور پھر قائمقام ڈپٹی کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ جن کو روحانی مراتب عطا فرماتا ہے اُن کو ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ دنیا کے لوگوں کے پاس جائیں بلکہ دنیا کے لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ان کے پاس آئیں اور ان سے فیض اٹھائیں۔

ایک دفعہ کشمیر کے فسادات کے سلسلہ میں مَیں شملہ گیا اور لارڈ ولنگڈن سے ملا۔ ملاقات کے بعد لارڈ ولنگڈن کا سیکرٹری میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرا اسسٹنٹ جو مسٹر گریفن کا پوتا ہے وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اُس سے کہیں ذکر کیا تھا کہ مسٹر گریفن کا میرے دادا سے بڑا تعلق رہا ہے اور اس کی کئی چٹھیاں ہمارے دادا کے نام موجود ہیں۔ اُس نے اِس بات کا اپنے اسسٹنٹ سے ذکر کر دیا کیونکہ وہ مسٹر گریفن کا پوتا تھا اور اس نے مجھ سے ملنے کی خواہش کی۔ چنانچہ وہ مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ میں اپنے دادا کی وہ چٹھیاں دیکھنا چاہتا ہوں جو انہوں نے آپ کے دادا کو لکھی تھیں۔ میں نے کہا کہ وہ کتاب البریہ میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ جب چاہیں وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔ مسٹر گریفن امرتسر کا کمشنر تھا اور اُس زمانہ میں کمشنر کے اختیارات گورنر کے برابر ہوا کرتے تھے اور کمشنری بھی صرف امرتسر کی ہی ہوا کرتی تھی۔ جب ہم وہاں سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو سامنے سے وائسرائے اپنی موٹر میں آ رہا تھا۔ اُس کا کوئی دانت خراب تھا وہ ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے جا رہا تھا۔ اُس نے جب مجھے دیکھا تو دور سے ہی مجھے سلام کرنا شروع کر دیا مگر میں نے نہ پہچانا کہ یہ کون شخص ہے۔ چنانچہ میں نے درد صاحب سے پوچھا کہ یہ کون ہے جس نے سلام کیا ہے؟ وہ کہنے لگے ابھی تو آپ ان سے مل کر آئے ہیں۔ یہ لارڈ ولنگڈن تھے اور انہوں نے تو آپ کو دیکھ کر دور سے ہی سلام کرنا شروع کر دیا تھا۔

میں نے کہا میں نے تو نہیں پہچانا۔ شاید وہ اپنے دل میں خیال کرتے ہوں گے کہ بڑے گھر درے آدمی ہیں۔ میں نے سلام بھی کیا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ کوئی اجنبی آدمی ہے جو کسی اَور کو سلام کر رہا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے بندوں کا دوسرے لوگوں پر رُعب ڈال دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک مہینہ کی مسافت پر بھی میرا دشمن ہو تو اللہ تعالیٰ اُس پر میرا رُعب ڈال دیتا ہے۔19 یہ رُعب اپنے اپنے درجہ اور مقام کے مطابق ہوتا ہے۔ کسی کا مہینہ بھر کی مسافت تک رُعب جاتا ہے، کسی کا چند دنوں کے فاصلہ تک رُعب جاتا ہے، کسی کا چند گھنٹوں کے فاصلہ تک رُعب جاتا ہے مگر ہوتا یہی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کا ہو جاتا ہے"۔

(الفضل 3 /اکتوبر 1958ء)

1: الحدید:4

2: النور:36

3: الانفال:25

4: يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
(الحجرات:18)

5: ارڑ پوپو: نجومی۔ احمق۔ ضدی۔ (پنجابی اُردو لغت صفحہ 112 مطبوعہ لاہور 1989ء

6: سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 340،399 مطبوعہ مصر 1936ء

7: المغنی لابن قدامة کتاب الصلاةِ باب الاذان فصل یکره اللحن فی الاذان. جلد 1 صفحه 430 دار المنار 1367ھ میں "اَنَّ بِلَالًا كَانَ يقولُ اَسْهَدُ " کے الفاظ ملتے ہیں۔

8: تاریخ طبری جلد 2 صفحه 677 مطبوعه بیروت 2012ء

9: تاریخ طبری جلد 2 صفحه 677 ثم دخلت سنة خمس و ثلاثین مطبوعه بیروت 2012ء

10 : الکھف:17

11 : لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (المائدۃ:79)

12 : البقرۃ:202

13 : بخاری کتاب الصلوۃ باب الْمَرْأَة تطرح عن الْمُصَلِّي شَيْئًا (الخ)

14 : بخاری کتاب فضائل اَصْحاب النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ باب قول النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلاً

15 : سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 272، 273 مطبوعہ مصر 1936ء

16 : تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 677 مطبوعہ بیروت 2012ء۔

17 : ڈانڈی: ایک قسم کی پہاڑی سواری

18 : تذکرہ صفحہ 120۔ ایڈیشن چہارم

19 : بخاری کتاب الصلوۃ باب قول النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا